غصے اور نشے میں بیوی کو طلاق طلاق کہنا۔ "حلالہ"

بہنوں، بیٹیوں اور اپنی بیوی سے پیشگی معذرت کے ساتھ

طلاق ایک سوچے سمجھے ارادے اور عزم کو بتائے ہوئے انداز میں عملی جامہ پہنانے والے فعل کا نام ہے۔ زبان کی نوک پر آئے اور منہ سے نکلے ایک لفظ کا نام طلاق نہیں۔

وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ ٱلَّـٰٓـِٔي تُظَـٰهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَـٰتِكُمْ

"اور نہ تمہاری بیویوں کو جن کو تم ماں کہہ دیتے ہو تمہاری مائیں بنایا ہے" (حوالہ الاحزاب۔۴)۔

ایک زمانہ تھا کہ لوگوں میں یہ تصور تھا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کیلئے حرام ہو گئے اور نکاح ٹوٹ گیا اگر خاوند نے غصے میں آ کر بیوی سے کہہ دیا کہ "اب تیرے پاس آیا تو تو میری ماں ہی لگے گی"۔ اور جب غصہ ٹھنڈا ہو تو خاوند بیوی دونوں سر جوڑے دکھ سے نڈھال ہوں تو اس بات اور انداز میں خاوند کا بیوی کو طلاق دینے کا چونکہ کوئی عزم اور ارادہ نہیں تھا تو کیا پھر بھی طلاق ہو گئی؟

قَدْ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوْلَ ٱلَّتِي تُجَـٰدِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيٓ إِلَى ٱللَّهِ وَٱللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَآ

"اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ (ﷺ) سے اپنے خاوند کے بارے میں بحث کرتی تھی اور اللہ سے شکایت کرتی تھی۔ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا"۔

رسولِ کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا اپنے نازیبا عمل کی وجہ سے خاوند نے حوصلہ نہیں پایا تھا۔

ٱلَّذِينَ يُظَـٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَـٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَـٰتُهُمْ إِلَّا ٱلَّـٰٓـِٔي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝٢

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ نکاح ٹوٹ گیا) وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا تھا۔ اور یقیناً وہ ایک ناپسندیدہ (بیہودہ) بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ تاہم اللہ بہت درگزر، معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے" (حوالہ المجادلۃ۔۱۔۲)۔

اس ناپسندیدہ اور بیہودہ بات کو زبان سے نکالنے اور اسے جھوٹ قرار دیتے ہوئے اس کی سزا بھی مقرر فرما دی گئی۔ فرمایا

وَٱلَّذِينَ يُظَـٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُواْ فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ مِّن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۚ
ذَٰلِكُمۡ تُوعَظُونَ بِهِۦۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ
مُتَتَابِعَيۡنِ مِن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۖ فَمَن لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَإِطۡعَامُ سِتِّينَ مِسۡكِينٗاۚ ذَٰلِكَ لِتُؤۡمِنُواْ
بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۚ وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۗ وَلِلۡكَـٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤﴾

''اور جولوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیں بعدازاں اپنے کہے سے پلٹیں تو ایک غلام کو آزاد کیا جائے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔اس سے تمہیں نصیحت ہوگی۔اور اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے۔لیکن اگر کوئی یہ نہ پائے وہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ اور جو یہ نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔یہ اس لئے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان رکھو۔اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔اور انکار کرنے والوں کو عذاب ہوگا'' (المجادلۃ۔۳۔۴)

بیوی کو منہ سے ماں کہہ دیا جائے تو زمانہ جہالت میں طلاق کے مترادف ہوتی تھی۔اور یہ ناپسندیدہ، بیہودہ اور جھوٹی بات آج بھی اگر کوئی اپنی بیوی سے کہہ دے تو اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت کی ادائیگی کی اجازت معطل ہو جاتی ہے۔اور ارادہ وعزم کے ساتھ منہ سے بیوی کو کہے ہوئے لفظ طلاق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ خاوند کو حقوق زوجیت کی ادائیگی معطل کرنا پڑتی ہے۔بیوی کو منہ سے ماں کہہ دیا جائے تو معطل کی ہوئی حقوق زوجیت کی ادائیگی کی اجازت اس وقت بحال ہوتی ہے جب ایک غلام کو آزاد کیا جائے۔ لیکن ایسا شخص اگر غلام نہیں رکھتا تو روزہ رکھنے کے قابل ہونے کی صورت میں لازماً لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔ اور اگر عمر رسیدہ اور بیمار ہونے کی بناء پر روزے رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو صرف اس صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بعد حقوق زوجیت کی اجازت بحال ہو گی۔اس سے اس خاوند کو نصیحت ہوگی، یعنی اس کی آئندہ کیلئے اصلاح ہو جائے گی۔بیوی کو طلاق دی جائے تو حقوق زوجیت کی ادائیگی کی اجازت معطل ہو جاتی ہے اور یہ بحال اسی صورت میں ہوتی ہے اگر دوران عدت خاوند اصلاح کا ارادہ کرے۔

غصے اور نشے کی حالت میں انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اہل ایمان کو دیئے گئے اس حکم میں واضح کر دیا گیا ہے

لَا تَقۡرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمۡ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعۡلَمُواْ مَا تَقُولُونَ

''جب تم نشے (انتہائی ذہنی انتشار) کی حالت میں ہو تو تم اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک اس حالت میں نہ آجاؤ کہ اسے سمجھو جو تم کہتے ہو، کہہ رہے ہو'' (حوالہ النساء۔۴۳)

سُكَـٰرَىٰ کے معنی نشہ میں ہونا ہے۔ جناب راغب نے کہا کہ یہ ایسی حالت ہے جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔بیشتر یہ اس قسم کی کیفیت کیلئے بولا جاتا ہے جو نشہ آور شراب سے پیدا ہوتی ہے۔یہ لفظ کھجور اور انگور میں سے کشید کی گئی شراب کے معنی میں سورۃ النحل کی آیت ۶۷ میں استعمال ہوا ہے۔سورۃ ق کی آیت ۱۹ میں موت کے وقت جانکنی کی کیفیت کیلئے استعمال ہوا ہے۔سورۃ الحج کی آیت ۲ میں روز قیامت کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لوگ اس کیفیت میں ہوں گے جیسے نشے میں دھت ہوں حالانکہ

انہوں نے نشہ نہیں کیا ہوگا۔اور یوں اس لفظ سے اس ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے جو انتہائی خوف اور گھبراہٹ میں اوسان کھو دینے پر پیش آتی ہے۔سورۃ الحجر کی آیت ۷۲ میں فحش جنسی خواہشات سے مغلوب حالت کیلئے بھی استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں جن ذہنی کیفیتوں کو بیان کرنے کیلئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے ان تمام میں انسان کو اپنے کہے سنے کا کچھ زیادہ ہوش نہیں ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ شراب یا کسی دوسرے نشے کی حالت اور ایسے ذہنی انتشار کی (وجہ کچھ بھی ہو، بشمول غصہ، شکم یا جنسی بھوک سے مغلوب) حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے جس میں احتمال ہو کہ کہے سنے کا پتہ ہی نہ چلے۔نماز اس حالت میں پڑھنی چاہئے جب ذہن اور اعصاب پوری طرح قابو میں ہوں اور انسان کو سمجھ ہو کہ نماز میں کیا کہہ رہا ہے۔لیکن شراب پی ہوئی حالت بنیادی طور پر شیطان کی غلاظت میں لتھڑی ہوئی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جبکہ نماز طہارتِ جسم وقلب کی متقاضی ہے۔اس دنیا کی سَكَرًا یعنی شراب کی کیفیت رِزْقًا حَسَنًا کے متضاد ہے۔اس کے استعمال سے امکان ہے کہ انسان اپنے ذہن پر مکمل تسلط کو کھو کر ذہن وزبان میں ربط نہ رکھ سکے۔اہل ایمان کو دنیا کی شراب اَلْخَمْرِ کے متعلق بتایا کہ یہ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَـٰنِ ''شیطان کے عمل کی غلاظت ہے'' (حوالہ المائدہ۔۹۰)۔ رِجْسٌ کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس کے ہیں۔گندگی، غلاظت کو بھی رجس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لتھڑ اور چپک جاتی ہے۔ تعفن اس کی خاصیت ہے۔اور شراب کسی بھی شئے سے تب بنتی ہے جب اس میں تعفن پیدا ہو۔

اہل ایمان کو نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے منع کر دیا اس وقت تک کیلئے جب تک انہیں اپنے آپ پر مکمل کنٹرول نہ ہو کہ جان سکیں کہ کہہ کیا رہے ہیں۔اہل ایمان کو اس وقت بھی نماز پڑھنے اور قرآن مجید کو چھونے کی ممانعت ہے جب اطہر نہ ہوں۔اور بیوی بھی ''اطہر'' ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا سیدنا لوط علیہ السلام کا قول مبارک ہے۔ کیا ''اطہر'' کے قریب ایسی حالت میں جانا اہل ایمان کو زیبا ہے جب شیطان کے عمل کی غلاظت ساتھ لتھڑی ہوئی ہو؟ اور تنہائی میں بیوی کے پاس بھی تو خاموش نہیں رہا جا سکتا چاہے کچھ کہے سنے کا عقل وفکر کو احساس بھی نہ ہو۔ جن دنوں بیوی ''اطہر'' حالت میں نہیں ہوتی اس وقت بھی تو اس کے پاس جانا منع ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۰ کے ضمن میں ایک ایسا ''تصور، فلسفہ، فعل'' اختراع کیا گیا ہے جسے بیان کرتے ہوئے کراہت و ندامت محسوس ہوتی ہے اور پیکرِ حیا و وفا کے مقام ومرتبہ کو جانتے ہوئے اس بارے میں بحث کرتے ہوئے بھی خوف آتا ہے کہ اس سے بڑھ کر عورت کی توہین کوئی نہیں کر سکتا جو اس فعل کو بیان کرنے والے کسی بیمار ذہن کے تراشے جعلی لفظ ''حلالہ'' میں پنہاں ہے۔اس لفظ کو جعلی اس لئے کہا ہے کہ آئمہ لغت کے ہاں یہ لفظ دستیاب نہیں۔انسانوں کے ہر عمل، تصور، نظریہ کیلئے لفظ کا لغت میں موجود ہونا لازم ہے۔لفظ کی عدم موجودگی تصور کی عدم موجودگی کی دلیل ہے۔شاید کہ انسانی وقار اور حقوق کیلئے کام کرنے والا کوئی ادارہ اس کی کراہیت کو محسوس کر کے حکومت پر قانون سازی کیلئے دباؤ ڈال سکے بوجھل دل سے اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''حلالہ'' کے نام پر جو

فعل ایجاد کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس خاوند نے عورت کو ''تین طلاقیں'' دی ہوں لیکن اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو تو اپنے لئے اس عورت کو ''حلال'' کروانے کیلئے بعد از عدت کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کروائے اور جب وہ (کرائے پر لیا ہوا) مرد اس کے ساتھ حقوق زوجیت والا فعل کر لے تو وہ بھی بیک وقت زبان سے ''تین طلاقیں'' کہہ دے اور پھر پہلے والا خاوند اس سے بعد از عدت نکاح کر لے۔ فعل کو ایک بار پھر غور سے پڑھ لیں۔ اس کے جھوٹے اور لغو ہونے کی دلیل اس کے اپنے اندر موجود ہے۔ طلاق عزم اور ارادے کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اگر خاوند ارادے اور عزم سے بیوی کو طلاق دے گا تو چند لمحوں بعد اپنے پاس رکھنے کیلئے اس قدر بے چین اور خواہش مند کیونکر ہو سکتا ہے کہ اسے کسی دوسرے کے پہلو میں بھیجنے تک تیار ہو جائے؟ واضح ہوا کہ حقیقت میں خاوند نے اسے طلاق دی ہی نہیں تھی بلکہ ایک لفظ ''طلاق'' اس کی زبان کی نوک سے ادا ہوا تھا۔

طلاق دل اور دماغ سے نکل کر زبان کی نوک پر آنے کا نام ہے۔ براہ راست زبان کی نوک سے نکلا ہوا لفظ ''طلاق'' کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ قلب کے ارادے اور اقرار کے بغیر زبان کی نوک سے ادا کئے ہوئے اقرار اور شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اللہ ایمان نہیں مانتا (حوالہ البقرۃ۔۸ اور المنافقون۔۱)۔ قلب کے ارادے اور اقرار کے بغیر زبان کی نوک پر کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت اور کائنات میں سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھنے والے الفاظ پر مشتمل اس کلمے کو کوئی دہراتا رہے تو بھی معافی کا حق دار نہیں۔ وہی ایک اللہ قلب کے ارادے اور عزم کے بغیر زبان کی نوک سے نکلے یا ادا کئے ہوئے لفظ کو کس قاعدے قانون اور اصول کے تحت طلاق مان لے گا؟ اقرار بھی قلب وذہن سے ہوتا ہے اور انکار بھی قلب وذہن سے ہوتا ہے۔ زبان سے ادائیگی ثانوی ہے۔ قسم عہد ہے، عقد ہے۔ نکاح بھی عہد ہے، عقد ہے۔ اللہ زبان سے کھائی ہوئی قسموں کے توڑنے، پورا نہ کرنے کو اسی اصول کے تحت درخور اعتناء نہیں سمجھتا جس اصول کے تحت زبان سے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کے اعتراف کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا۔ اللہ کے بنائے ہوئے اصول کے تحت قلب وذہن کے فیصلے اور ارادے کے بغیر زبان سے پھسلے ہوئے لفظ ''طلاق'' کی کوئی حیثیت نہیں کہ عورت حرام ہو جائے جیسے ماں کہہ دینے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی کہ ماں کی طرح حرام ہو جائے کیونکہ زبان سے ادا کیا ہوا ''لفظ'' کسی کو کسی کی ماں نہیں بنا دیتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے ماں نہ بنائے۔

ایک لڑکا لڑکی امریکہ میں رہائشی ویزہ لینے کیلئے خاوند بیوی بننے کے ارادے کے بغیر زبان سے جھوٹا اقرار نکاح کر کے ایک دوسرے کیلئے حلال نہیں کہلا سکتے کہ نہ نکاح کا ارادہ اور عزم موجود ہے اور نہ اس کے ذریعے عورت کو ''محصنہ'' بنانے کا خیال۔ کسی عورت کو ''حلال'' کروانے کیلئے اگر کرائے کے مرد سے ''نکاح'' کروایا جائے گا تو اُس مرد کا اسے ''محصنہ'' بنانے کا کوئی عزم، ارادہ نہیں۔ اس لئے زبان سے نکاح کے اقرار کے باوجود اس (کرائے پر لئے گئے خاوند) کے لئے یہ مطلقہ حلال نہیں قرار پا سکتی کیونکہ اسے اِس عورت کی اپنے مال کے ذریعے جستجو نہ تھی بلکہ الٹا ''خدمت'' بجالانے کے عوض مال اور فوائد حاصل کر رہا ہے۔ اس معاملے میں

ملوث پیسے بٹور کر فتویٰ دینے والا مولوی، دونوں مرد اور ایک عورت حقوق زوجیت اور طلاق کے متعلق اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ میں دیئے گئے احکامات کی بے حرمتی کرنے کے مجرم ہیں اور مقرر کردہ حدوں کو توڑنے والے ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ اس سلسلے میں قانون سازی کرے۔ قانون کی حیثیت فتوے ہی کی ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت میں کسی فرد کو انفرادی طور پر فتویٰ دینے کی قطعی اجازت نہیں۔ ایسا کیا جائے تو معاشرہ منظم نہیں کہلا سکتا بلکہ لوگوں کا ایسا ہجوم کہلائے گا جہاں ہر کوئی من مانی کر سکتا ہے۔

اور اس بات کا ایک کربناک پہلو سمجھ سے باہر ہے کہ دوسرے مرد سے 'حقوق زوجیت' ادا کروانے پر اصرار کیوں ہے؟ کاش ہم سمجھیں کہ عورت نفس واحدہ ہی کا جزو ہے اور یہ بات کہہ کر حقیقت میں ایک 'کھلونے' کا درجہ دے کر اس کے مقام و مرتبہ اور عزت نفس کو بری طرح مجروح کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی منکوحہ بیویوں کو طلاق دے دو جنہیں تم نے چھوا ہی نہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳۶،۲۳۷)

النساء میں کنواری بھی شامل ہے، بیوہ بھی شامل ہے، ایسی شادی شدہ عورت بھی شامل ہے جو کافر کے نکاح میں ہے اور ہجرت کر کے چلی آئی ہے، قیدی مومن عورت بھی شامل ہے، اہل کتاب کی محصنات بھی شامل ہیں، طلاق یافتہ عورت بھی شامل ہے۔ ہر وہ عورت شامل ہے جو نکاح کیلئے حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کھلے انداز میں اجازت دے رہے ہیں کہ حقوق زوجیت ادا کئے بغیر ہر عورت کو طلاق دے سکتے ہو لیکن ''حلالہ'' کے پرستار اللہ کی دی ہوئی اجازت کو کالعدم قرار دینے کی جسارت کرتے ہوئے لازمی قرار دیتے ہیں کہ کرائے پر لئے ہوئے مرد سے طلاق دلوانے کیلئے ''حقوق زوجیت'' کی کم از کم ایک بار ادائیگی ضروری ہے۔ استغفر اللہ۔ اللہ رب العزت نے شاید اسی لئے یہ تنبیہہ کی ہے:

وَٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ

''اس لئے اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے

وَيُرِيدُ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلشَّهَوَٰتِ أَن تَمِيلُواْ مَيْلًا عَظِيمًا ○

مگر جو لوگ خود اپنی خواہشات نفسی کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ

تمہارا جھکاؤ بھی ان کی (میلی خواہشات) کی طرف شدت سے ہو جائے'' (النساء۔۲۷)

اس معاملے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۰ اہم ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ ''پھر اگر اُس بیوی کی خواہش اور فدیہ دینے پر خاوند نے بیوی کو طلاق دی تھی تو اس طلاق کے بعد وہ (عورت) اس کے لئے حلال نہیں ہے''۔ یہ ایسی صورتحال کی طلاق کے متعلق ہے جہاں بیوی مال و دولت میں سے فدیہ دے کر اپنے آپ کو اس خاوند کے نکاح کے بندھن سے آزاد کروا رہی ہے۔ یہ ایسی صورتحال ہے جہاں مرد نے طلاق دی نہیں بلکہ بیوی نے اس سے طلاق خریدی ہے مال کے عوض۔ اس صورتحال میں خاوند کیلئے فَأَمۡسِكُوهُنَّ بِمَعۡرُوفٍ ''پھر معروف طریقے سے روک لینا ہے'' کا امکان نہیں۔ اس لئے اِس مرد کیلئے طلاق خریدنے والی اس بیوی کے متعلق حکم دے دیا کہ وہ حلال نہیں ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگی۔ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ یہاں تک کہ اس خاوند کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے وہ خود نکاح کر لے'

آیت مبارکہ میں لفظ ''تَنكِحَ'' مضارع کا صیغہ واحد مئونث غائب ہے ''وہ عورت نکاح کر لے''۔ اس مخصوص عورت نے فدیہ دے کر اپنے خاوند سے طلاق لی ہے اس لئے اس کیلئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک اپنی مرضی سے کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر لیتی۔ اگر وہ زندگی بھر کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرتی تو طلاق دینے والے خاوند کیلئے زندگی بھر حرام عورتوں کی فہرست میں شامل رہے گی۔ اور اگر اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو پہلے خاوند کیلئے مطلق حرام ہوگئی وَٱلۡمُحۡصَنَٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ ''اور عورتوں میں سے وہ بھی تم پر حرام ہیں جو محصنات (کسی دوسرے کے نکاح میں) ہیں'' (حوالہ النساء۔۲۴)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرا خاوند بھی اس سے نباہ نہ کر سکے اور طلاق دے دے۔ فَإِن حرف ''ف'' ترتیب کیلئے استعمال ہوتا ہے ''یہ ہوا پھر یہ ہوا پھر یہ ہوا'' اور حرف ''اِن'' حرف شرط ہے جو ''اگر'' کے معنوں میں آتا ہے۔ طَلَّقَهَا ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ فَإِن طَلَّقَهَا ''پھر اگر اس خاوند نے اس عورت کو طلاق دے دی ہے''۔ اب یہ عورت پھر غیر منکوحہ ہونے کی بناء پر دوسرے مردوں کیلئے حلال عورتوں کی فہرست میں شامل ہوگئی ہے۔ لیکن اگر اس کا پہلا خاوند ابھی زندہ ہے جس سے اس عورت نے فدیہ دے کر طلاق لی تھی اور اس کیلئے حلال نہیں رہی تھی تو وقت گزرنے کے بعد اس نئی صورتحال میں اجازت دے دی گئی فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ ''تو پھر ان دونوں کیلئے کوئی ''حرج'' (مذاقہ، تنگی، گناہ) نہیں کہ دونوں باہمی رضامندی سے پہلے والی صورت میں لوٹ جائیں (نکاح کر لیں)''۔ یہ ''حرج'' صرف اس صورت میں نہیں ہوگا اگر یہ شرط پوری ہو إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ''اگر دونوں گمان کریں کہ دونوں اللہ کی حدود پر قائم رہیں گے''۔

اس آیت مبارکہ میں اُس مرد کا ذکر ہے جس نے مال و دولت لے کر اپنی بیوی کو طلاق دی ہے۔ اس مرد کو اپنی اِس طلاق یافتہ بیوی کو اپنے لئے ''حلال کروانے'' کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ ہدایت کے عوض گمراہی خریدنے والے اِس آیت مبارکہ کو بنیاد بنا کر ایک سادہ، معصوم، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ جاننے لیکن اس کا خوف رکھنے والے ایسے خاوند کو پیسے لے کر ''حلالہ، بیوی کو حلال کروانے'' کا

فتویٰ دیتے ہیں جس نے بغیر ارادہ اور عزم کے اپنے منہ سے بیوی کیلئے طلاق، طلاق کے الفاظ کہے تھے۔ اور یہ خوف اللہ رکھنے والا لیکن سادہ لوح طلاق دینے والا خاوند اپنی مطلقہ بیوی کیلئے ایک ایسے مرد کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے جو اس مطلقہ کو اس شرط پر عارضی طور پر ''نکاح'' میں لینے کیلئے تیار ہو جائے کہ ایک آدھ بار حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد ایک سانس میں ''تین طلاقیں'' کہے اور اس ''خدمت'' کا معاوضہ طے کرنے کیلئے بھی مجبور ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات فتویٰ دینے والا مولوی تو اس ''احسان اور نیکی'' کو خود انجام دینے کی پیشکش کرتا ہے۔(ان بدبودار الفاظ کیلئے معافی چاہتا ہوں)۔ ''حلالہ'' کے معاملے میں ملوث تمام فریقوں میں سب سے زیادہ سرکش، گمراہ اور اللہ اور آخرت سے بے خوف وہ شخص ہے جو اس کی ترغیب، فتویٰ دیتا ہے۔ ایسے مولوی کے پاس کوئی ایسا خاوند نہیں آتا جس نے ارادہ اور عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر بیوی کو طلاق دی ہے۔ اس مولوی کے پاس صرف وہ خاوند آتا ہے جس نے غصے، شراب پیے ہوئی حالت میں یا فوری اشتعال میں آکر بیوی کو طلاق کے الفاظ کہے ہوں۔ اور پھر اس صورتحال پر دونوں خاوند بیوی پریشان و پشیمان ہوتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ یہ وقوعہ خوابگاہ کی تنہائی میں بھی ہوا ہو اور کسی دوسرے شخص کو علم بھی نہ ہوا پنے آپ کو ایک دوسرے کیلئے حلال نہیں سمجھتے۔ یہ ان کا کسی انسان سے نہیں اللہ تعالیٰ سے خوف کا مظہر ہے۔

زمانہ جاہلیت (emotionalism، جذباتیت، روایت پرستی) میں بعض لوگ غصے اور اشتعال میں بیوی کو ماں کہہ دیتے تھے تو نکاح کو فسخ سمجھ لیتے تھے اور ممکن ہے کہ اس زمانے کے بعض مولوی ''حلالہ'' کا طریقہ بتاتے ہوں۔ لیکن لوگوں کیلئے جب ''نور'' یعنی ہدایت، روشنی، قرآنِ مجید آیا تو انہیں سمجھ آ گئی کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی کہ بحیثیت بیوی حرام ہو جائے اور نکاح فسخ۔ اور سمجھا دیا گیا کہ ایسا کرنا بیہودہ طرز عمل ہے اور اس کے مرتکب ہونے والوں کیلئے جرمانہ مقرر کر دیا کہ غلام رہا کرو اور اگر تمہارے پاس غلام نہیں ہے تو لگاتار دو مہینے کیلئے روزے رکھو۔ سبحان اللہ۔ بیہودہ طرز عمل، جرم کی سزا وہ مقرر فرمائی جو انسان کی اصلاح کر دے۔ روزے کا مقصود انسان کو متقی بنانا ہے۔ اور تقویٰ اختیار کرنے والا شخص لغویات اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب کرنے اور دور رہنے والا شخص ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے بیوی کو ''ماں'' کہہ دینے والے خاوندوں کیلئے سزا مقرر فرماتے ہوئے انتہائی نرمی اور رحمت فرمائی تھی اور بیوی کو اپنی خوابگاہ کی تنہائی میں غصے یا نشے کی حالت میں ''طلاق طلاق'' کہہ دینے کی جو ''سزا'' ظالم انسان تجویز کرتے ہیں اسے پڑھ کر روح بھی کانپ جاتی ہے۔ خاوند بیوی کے رشتے کے تقدس کی اس سے بڑھ کر کوئی توہین نہیں۔ نکاح ایک مقدس بندھن کا نام ہے۔ انتہائی پاکیزہ اور مقدس لفظ نکاح کے ساتھ اس سے بڑھ کر لغو اور بیہودہ مذاق کیا ہوگا کہ پیشگی طلاق کے عزم اور ارادے کے ساتھ اسے باندھا جائے۔ خاوند بیوی کے تعلق اور رشتے کے تقدس کا اندازہ اس نکتے سے کر لیا جائے کہ کائنات میں سب سے پہلا رشتہ یہی استوار کیا گیا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ۔ اور اس رشتے کے تقدس اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگا لیا جائے

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ کہ جنت کے حوالے سے بھی بار بار اس رشتے کو بتایا گیا ہے۔